اداریہ

خورشید احمد ندیم

شناخت کا تصور لازماً ایک تقابل کو جنم دیتا ہے۔اس کے لیے ایک دوسرے اور مختلف وجود کی موجودگی ضروری ہے۔ایک گروہ کے سب اراکین اگر جنس، مذہب، رنگ، نسل اور وطن کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہ رکھتے ہوں تو پھر ان کے مابین شناخت کا تصور بے معنی ہے۔اسی طرح اختلاف کی یہ تمام علامتیں اگر باقی رہتی ہیں تو شناخت بھی ہمہ جہتی اعتبار سے موضوع بنتی ہے۔مثال کے طور پر اگر ایک گروہ کے سب افراد دیگر ہر طرح کی یکسانیت کے باوجود مذہبی حوالے سے مختلف ہیں تو پھر ''مذہبی شناخت'' کا تصور نمایاں ہوگا۔اگر یہ اختلاف وطن کے معاملے میں ہے تو پھر لوگ ملک اور وطن کے حوالے سے مختلف قرار پائیں گے۔انسانی سماج میں موجود تنوع کی بعض اقسام فطری ہیں اور بعض تمدنی۔مثال کے طور پر مرد و زن کا اختلاف فطری ہے اور وطن کا تمدنی۔تمدنی ارتقا نے جہاں تہذیب اور تمدن کے معاملے میں موجود اختلاف کو نمایاں کیا ہے وہاں فطری اختلاف کو بھی ایک نئی صورت دے دی ہے۔چنانچہ ایک عہد میں جو فرق نمایاں ہوتا ہے، وہ شناخت کی علامت بن جاتا ہے اور گروہ اس حوالے سے اپنے آپ کو دوسروں سے الگ تصور کرتے ہیں۔

آج کے دور میں، اگر ہم اہلِ اسلام کے حوالے سے دیکھیں تو عالمی سطح پر مذہب، ہماری شناخت کا سب سے نمایاں اظہار ہے۔مغرب میں وطن اور کلچر کو یہی حیثیت حاصل ہے۔چنانچہ مغربی معاشروں میں رہنے والے مسلمان جب اپنی مذہبی شناخت پر اصرار کرتے ہیں تو اس سے وطن اور کلچر کے تصوارت سے ایک براہِ راست تصادم پیدا ہوتا ہے، جس کی بنا پر اہلِ مغرب اور مسلمان، دونوں ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی اجنبیت کے احساس سے نکل نہیں سکتے۔اسی طرح جب بین الاقوامی تعلقات کے میدان میں ''عالمِ اسلام'' اور ''اُمتِ مسلمہ'' جیسے تصورات کو نمایاں کیا جاتا ہے تو اس سے بھی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں، جو اس باب میں نئے تصورات سے ہم آہنگ نہیں ہوتیں جن کی اساس قومی ریاستوں کے سیاسی و معاشی مفادات پر رکھی گئی ہے۔

شناخت کا یہ مسئلہ مسلمان معاشروں کو داخلی طور پر بھی متاثر کرتا ہے جب تقابل کے اصول پر مسلکی، علاقائی یا لسانی شناخت زیرِ بحث آتی ہے۔اس سے قومی وحدت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں تو ہم شناخت کو وطن سے موسوم کرتے ہیں تاکہ ایک بڑی عصبیت چھوٹی عصبیتوں پر غالب رہے اور قومی ریاست کی وحدت متاثر نہ ہو۔ معاملہ اس وقت ایک بار پھر پیچیدہ بن جاتا ہے جب ہم اجتماعی شناخت کو جغرافیے کے بجائے مذہب سے وابستہ کرتے ہیں۔

اس عالمی اور داخلی پسِ منظر میں آج مسلمان معاشروں کے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ شناخت کے اس تصور کو سنجیدگی کے ساتھ سمجھیں۔مغربی معاشروں نے اجتماعی شناخت کو کلچر اور وطن سے نسبت دے کر، اس مسئلے کو بڑی حد تک حل کر لیا ہے۔ضرورت ہے کہ ہم بھی ان اقدار کی نشان دہی کریں، جن سے تنوع اور شناخت کے مسئلے کی صحیح تفہیم ہو سکے۔''اجتہاد'' کا یہ شمارہ اس ضمن میں ایک کوشش ہے۔اس میں شناخت کے مسئلے کو نظری اور فکری طور پر سمجھنے کی سعی کی گئی ہے اور شناخت کو الٰہیات، فقہ اور عمرانیات کے ایک موضوع کے طور پر دیکھا گیا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر خالد مسعود، ڈاکٹر محمد شکیل اوج اور ڈاکٹر محسن نقوی کے مضامین اہم ہیں۔اسی طرح بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں، بالخصوص مغربی معاشرت میں شناخت کے حوالے سے مسلمانوں کے لیے جو پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں، وہ سائیو بھان مکلئی، مولانا زاہد الراشدی، امیر عبداللہ اور ڈاکٹر ناصر زیدی کے مضامین میں زیرِ بحث ہیں۔جنوبی ایشیا کی سیاست کو شناخت کے مسئلے نے جس طرح متاثر کیا ہے اسے ڈاکٹر عائشہ جلال کے مضمون سے سمجھا جا سکتا ہے۔ان تمام تحریروں میں مسلمانوں کے حوالے سے شناخت کے مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ بحث ادھوری رہتی اگر ہم اس معاملے کو دوسروں کی نظر سے نہ دیکھیں۔اس باب میں ایلف کائی اور افضال ریحان کے مضامین اہم ہیں۔ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ متنوع پسِ منظر رکھنے والے پاکستان کے اہلِ دانش سے یہ جانیں کہ وہ شناخت کے معاملے کو کس زاویے سے دیکھ رہے ہیں۔''مکالمہ'' کے عنوان کے تحت مختلف صاحبانِ علم کے انٹرویو شاملِ اشاعت ہیں، جن سے ہم شناخت کے مسئلے پر ان کے خیالات کو جان سکتے ہیں۔علاوہ ازیں اس شمارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات، سرگرمیاں اور مطبوعات کی ایک جھلک بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ہم اس کاوش پر آپ کی تنقید، تبصرے اور تجاویز کا خیر مقدم کریں گے۔